Urdu Research Journal, International refereed journal for Urdu, ISSN:2348-3687

"ادب اور احتساب"

تبصرہ نگار: محمود فیصل، ریسرچ اسکالر، دہلی یونی ورسٹی، دہلی

میرے سامنے ڈاکٹر شاذیہ عمیر کی نئی کتاب 'ادب اور احتساب' کی سنہری تحریریں آنکھوں کے دوش پر سوار ہو کر دل ودماغ تک رسائی حاصل کر رہی ہیں۔ اس کتاب کا نام ہی اس کے اندر موجود تحریروں کا ترجمان اور عکاس ہے۔ یہ کتاب حقیقت میں ان لائق وفائق ادیبوں کی تحریروں کا 'احتساب' کر رہی ہے جنہیں دنیائے ادب کا سرمائے افتخار کہا جاتا ہے۔ اس کتاب میں احتساب کے نقطہ نظر سے کئی اصناف کا احاطہ مضامین کی شکل میں کیا گیا ہے، جس کی ابتدا مصنف نے شاعری سے کی ہے، اس کے بعد فکشن کا احاطہ کرتے ہوئے اپنے احتساب کو 'دیار نقد' کے وسیع دامن تک کشادہ کر دیا ہے۔

ڈاکٹر شاذیہ عمیر نے کتاب میں سب سے پہلے 'دیار شاعری' کو پیش کیا ہے، جس کی ابتدا انہوں نے اس شاعر سے کی جس کو دلی کے ساتھ اردو ادب میں 'مرزا نوشہ' کے نام سے بھی جانا جاتا ہے اور ان کی قدر و منزلت کا اندازہ بھی ان کے چلے جانے کے بعد ہوا اسی طرح ان کی شاعری کا حال ہوا۔ حالانکہ انہوں نے اپنی زندگی میں ہی اس جانب اشارہ کر دیا تھا

نغمہ ہائے غم کو بھی اے دل غنیمت جانیئے
بے صدا ہو جائے گا یہ ساز ہستی ایک دن

اس مضمون میں مصنف نے مرزا غالب کی شاعری اور شخصیت کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ اور ان کے محاسن و معائب پر احباب کی محبتیں اور دشمنوں کی دشنام طرازیوں کا بھی ذکر بہت خوبصورت انداز میں کیا ہے اور اس کے لئے حسب ضرورت دلیل سے اپنی بات ثابت بھی کی ہے۔ مرزا غالب کے حوالے سے انہوں نے ان کے ان مداحوں اور قدر دانوں کا ذکر کیا ہے جنہوں نے ان کی تحریروں کو ادب کے پروانوں تک پہنچایا۔ ان کی تحریروں میں یہ دعویٰ بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ اگر 'یادگار غالب'، 'ذکر غالب'، 'محاسن کلام غالب'، 'رموز غالب'، 'نقد غالب' وجود میں نہ آتے تو شاید غالب بھی اغلب نہ ہوتے بلکہ ان کی شاعری بھی یاد ماضی کی طرح قصہ پارینہ بن کر رہ جاتی۔

دوسرا مضمون 'نئی غزل اور تانیثی حسیت' ہے، جس میں بیسویں صدی کی چھٹی دہائی کے بعد کی غزل کو سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جس میں ابتدا تو ماہ لقا چندا بائی سے ہوئی ہے اور یہ سفر ادا جعفری، زہرہ نگاہ، کشور ناہید، فہمیدہ ریاض، پروین شاکر، نسیم سید، شاہد حسن اور شہناز نبی تک جاری رہا۔ اس مضمون میں مصنف نے شاعرات کی اس فکر کی عکاسی کی ہے، جو ان کے یہاں مردوں کے ظلم و جور کے حوالے قائم ہے۔ اس سماج کا بھی ذکر کیا گیا ہے جو پدری نظام پر عمل پیرا ہے۔

مصنف اپنے دوسرے مضمون میں پروین شاکر کو 'محبت کا توانا سلجھ' قرار دیتے ہو یہ شعر پیش کیا ہے:

جو خواب دینے پہ قادر تھا میری آنکھوں کو
عذاب دیتے ہوئے بھی مجھے خدا ہی لگا

حالانکہ یہ مضمون تو پروین شاکر کے نام ہے لیکن اس میں موضوع کی مناسبت سے کہیں کہیں دوسری شاعرات بھی در آئی ہیں جیسے کہ فہمیدہ ریاض اور کشور ناہید وغیرہ۔

اس کے آگے مضمون میں مصنف نے جاں نثار اختر کی اس عورت کو پیش کیا جس کو جاں نثار اختر نے ایک مخصوص لب و لہجے میں پیش کیا ہے۔ جاں نثاری کی تحریروں میں نثر (خط) اور نظم دونوں میں عورت کے وجود کو تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس لئے کہ جتنے خوبصورت خیال عورت کے متعلق جاں نثار اختر نے شاعری میں پیش کئے ہیں اس سے بہتر خیال ان کے خطوط میں پائے جاتے ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں "آو مجھ میں زندگی کی روح پھونک دو"۔

ناصر کاظمی کی شاعری کے رنگ کو پیش کرنے کے لئے انہوں نے ایک مضمون "سفر مسلسل کا استعارہ: ناصر کاظمی" باندھا ہے۔ جس میں انہوں نے ناصر کاظمی کی یاسیت کو پیش کیا ہے

اس مضمون میں انہوں نے ناصر کاظمی کی تمام شعری محاسن کو پیش کیا ہے۔ جس میں زیادہ تر تنہائیوں کا ماتم ہے۔

کتاب کا دوسرا حصہ "دیار فکشن" کے نام سے منسوب ہے۔ اس مضمون میں ڈاکٹر شاذیہ عمیر نے اردو داستان کے آخری آدمی (انتظار حسین) کو سب سے مقدم رکھا ہے۔ اس حصے کے پہلے مضمون کا نام "آخری آدمی: روحانی زوال کا رزمیہ" ہے۔ اس میں انتظار حسین کے افسانوی مجموعے "آخری آدمی" کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے اور انتظار حسین کے ساتھ چلتے چلتے انہوں نے بھی خیالات کے ساتھ ان تمام جگہوں کی سیر کی جس میں وہ سرگرداں رہے۔ اس افسانوی مجموعے کے تمام افسانوں پر مصنف نے اچھے تجزیئے پیش کیے ہیں۔

اس کے بعد ایک الگ مضمون "الیاس احمد گدی: ایک منفرد فنکار" میں شخص و عکس کا جائزہ لیا ہے۔ اس مضمون میں الیاس احمد گدی کی ناولوں اور افسانوں کی

قدروقیمت متعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ان کے پہلے افسانوی مجموعے''آدمی 1983'' کی رومانی اور نیم رومانی کہانیوں کو اپنے تجزیئے کی چاشنی سے گوندھ دیا ہے۔ اس کے بعد مصنف نے ''تھکا ہوا دن'' کو موضوع بنایا ہے۔اس میں مصنف نے محنت کشوں کے شب و روز کے اس تاریک پہلو کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے جس سے دنیا منور ہوتی ہے۔ پھر ناول ''فائر ایریا'' کو پیش کیا گیا ہے، جس کا تجزیہ کرتے ہوئے مصنف نے لکھا ہے کہ زندگی چاہے جس طرح سے گزری جائے وہ زندہ رہنے کے ساتھ محبت کے رنگ ڈھنگ سیکھ ہی لیتی ہے۔ حسن کے ساتھ ناول کی قباحت کو بھی پیش کیا گیا ہے۔ کہ کچھ جزوی باتوں پر توجہ دیتے ہوئے ناول کو مزید اچھے انداز میں پیش کیا جاسکتا تھا۔

اگلا مضمون انہوں نے ''فرات کے کردار: ایک تجزیاتی مطالعہ'' کے مضمون کے نام سے پیش کیا ہے۔ڈاکٹر شاذیہ عمیر حسین الحق کے ناول ''فرات'' کا تجزیاتی مطالعہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں'' یہ ناول اپنے اپنے محدود زمان و مکان کے باوجود ایک وسیع پس منظر کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے''۔

اگلے مضمون میں مصنف نے ''علی باقر کے افسانوں میں انسانی رشتے'' کی تلاش کو موضوع بنایا ہے۔اور یہ بات بہت پروثوق انداز میں کہی جاسکتی ہے کہ وہ اس تلاش میں سرفراز ہوئی ہیں۔ اس طرح انسانی رشتوں کو تلاش کرتے کرتے فکشن کا یہ باب مکمل ہو گیا۔

اگلے باب کو ڈاکٹر شاذیہ عمیر نے''دیار نقد'' کا نام دیا ہے۔ اس باب میں انہوں نے نظم ونثر دونوں کو شامل کیا ہے۔اس باب میں سب سے پہلے اردو ادب کے سب سے خشک موضوع کو جگہ دی ہے۔ پہلے مضمون کو''اردو کے اہم خاکہ نگار: آزادی کے بعد'' کے نام سے موسوم کیا ہے۔ اس میں انہوں نے خاکہ نگاری کی روایت کا ذکر کرتے ہوئے اہم خاکہ نگاروں کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے پاکستان کے خاکہ نگاروں کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ جو اس لحاظ سے اہم ہے کہ ہمارے سامنے خاکہ نگاری کا ایک نیا افق روشن ہوا ہے۔

دوسرے مضمون کو باندھتے ہوئے انہوں نے اس کا نام''مغربی تنقید: آغاز وارتقا'' رکھا ہے۔ یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ ادب چاہے وہ جس طرح اور جس زبان کا ہو اس کے تار پود مغرب سے ہی جڑے ہیں۔اس مضمون میں انہوں نے اس کے آغاز وارتقا پر روشنی ڈالتے ہوئے اس کی موجودہ شکل کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس کے بعد انہوں نے''اردو تنقید کا سیاسی و سماجی پس منظر'' کے مضمون کو جگہ دی ہے۔اس کی ابتدا انہوں نے مغل دور حکومت سے کی ہے اور اس کو بیسویں صدی کی پانچویں دہے تک پہنچایا ہے۔اور یہ رائے قائم کی ہے'' آج اردو تنقید مختلف حد بندیوں سے آزاد ہو کر امتزاجی رویے کو بروئے کار لاتے ہوئے ادب کی آبیاری میں مصروف ہے جو یقیناً ایک مسرت آفریں عمل ہے''۔

اگلے مضمون میں شاعری کو موضوع بناتے ہوئے مضمون کا نام''اردو شاعری کا مزاج اور وزیر آغا'' منتخب کیا ہے۔ اس مضمون کی ابتدا ہی مصنف نے وزیر آغا سے اپنی ملاقات کے حوالے سے کی ہے۔ اس کے بعد مضمون میں سماں باندھنے کے لئے حالی کو بھی شامل کرلیا اور اس طرح سے انہوں نے ماحول سازگار بناتے ہوئے وزیر آغا کی شاعری نوازی اور شاعری کے مزاج، جس میں گیت، غزل اور نظم موجود ہیں کو بہت عمدہ طریقے سے جانچا اور پرکھا ہے۔

باب اور کتاب دونوں کے آخر میں ایسا مضمون منتخب کیا ہے جو دونوں کی تکمیل کا اعلان کرتا ہے۔اس مضمون کا نام''اے خستہ بدن !اب سفر تمام ہوا'' ہے۔ اس مضمون میں بھی وزیر آغا کے دنیا چھوڑنے کا ماتم ہے۔ لیکن اس مضمون میں اس ہستی کا ذکر خیر بھی ہے جس کی انگلی پکڑ کر وزیر آغا تک رسائی ہوئی تھی، وہ ہستی جس کے ہونے کو'آسمان ' کہتے ہیں اور نہ ہونے کو'دنیا ویران' کہتے ہیں۔یعنی مصنف نے اپنے والد محترم کا بھی ذکر کیا ہے۔ جو کہ اپنی میٹھی میٹھی باتوں سے تو وزیر آغا کی محبت دل میں بٹھا گئے لیکن خود وزیر آغا کی طرح ہی اکیلے زندہ رہنے کا درس دے کر چلے گئے۔ علاوہ ازیں اس مضمون میں انہوں نے وزیر آغا کی ان تمام تحریروں کو سمیٹنے کی کوشش کی ہے جو کہ ان کی دسترس میں آئیں۔

یہ کتاب کئی لحاظ سے منفرد ہے۔ جیسے کہ اس کتاب میں حسب روایت کوئی تعارفی تحریر نہیں ہے۔کتاب اور موضوع کے پیش نظر کسی بھی ادیب کی تحریر کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ بالفاظ دگر

اب ہوائیں ہی کریں گی روشنی کا فیصلہ
جس دیئے میں جان ہو گی وہ دیا رہ جائے گا

دوسرے اس کتاب میں احتساب کے پیش نظر نظم، نظر اور نقد غرض سب کچھ موجود ہے، یہ بھی ایک طرح سے اس کی انفرادیت ہے۔ایک ادب کے قاری کے لئے یہ کتاب بہت مفید ہے۔ اس لئے کہ اس میں شاعری کا بحر بیکراں'غالب'، افسانے کا لازاول آدمی'انتظار حسین' اور تنقید کا نوشیرواں عادل (تنقید میں انصاف)'وزیر آغا'موجود ہیں اور یہ تینوں اردو ادب کے عناصر ثلاثہ ہیں۔

آخر میں اس کتاب کو ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس نے شائع کرکے اعتبار کا ایک اور تمغہ عطا کر دیا ہے۔****